عالمِ اسلام

اُردن اور فلسطین کا المیہ

اور اس کا پس منظر

از جناب خلیل حامدی صاحب

فلسطین کا مسئلہ اب نئے مرحلے میں داخل ہوچکا ہے۔ اب تک جو فریق اس مسئلہ سے وابستہ تھے اُن میں ایک نئے فریق کا اضافہ ہوگیا ہے یعنی فدائیین۔ گو اس مسئلے کے اصل فریق فلسطین کے باشندے تھے مگر دنیا کی بڑی طاقتوں نے اور عرب ممالک کی بعض حکومتوں نے اِس اصل فریق کو میدانِ سیاست سے ہٹا رکھا تھا اور اس مسئلے کا حل اپنے منشا کے مطابق کرنا چاہتی تھیں۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد فلسطین کے مہاجرین کو اپنے مسئلے سے براہِ راست نمٹنے کا پہلی مرتبہ موقع ملا ہے اور اب انہوں نے مختلف اسباب کی بنا پر اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ ان کو نظر انداز کر کے کوئی طاقت اس مسئلہ کو حل نہیں کرسکتی۔ یہ بلاشبہ ایک نہایت امید افزا اور خوش کن صورتِ حال ہے۔ مگر اب اسرائیل نواز طاقتوں نے، جن میں مغربی بلاک بھی شامل ہے اور مشرقی بلاک بھی، خود فلسطینیوں کو اپنی سازشوں کا شکار بنانا شروع کر دیا ہے۔ اُردن میں پچھلے عرصہ میں جو خونریز ہنگامے ہوئے ہیں اور شاید آیندہ بھی خونریزی کی نوبت آئے وہ اسرائیل نواز طاقتوں کی سازش ہی کا ایک شاخسانہ ہیں۔ پیشِ نظر تجزیہ کے اندر ان ہنگاموں کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ امید ہے کہ اس تجزیہ کے بعد نہ صرف گزشتہ واقعات کو سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ آئندہ مسئلہ فلسطین کے ساتھ جو کچھ گزرنے والی ہے اُس کا بھی اندازہ کرنے میں آسانی رہے گی۔

فلسطین کی آزادی کے لیے جو فلسطینی فدائیین کی تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان کی تعداد بارہ ہے۔ فدائیین

کی سیاسی اور عسکری جنگ کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے ان تنظیموں میں سے ہر ایک تنظیم کا الگ الگ تعارف ضروری ہے۔

۱۔ حرکۃ التحریر الوطنی الفلسطینی (فتح)۔ اس کی قیادت یاسر عرفات کے ہاتھ میں ہے اور اس کا مقصد فلسطین کی آزادی ہے۔ یہ تنظیم بحیثیت تنظیم کسی غیر فلسطینی طاقت کے زیر اثر نہیں ہے۔ اس میں ہر مکتبِ فکر کے لوگ جمع ہیں۔ ایک قلیل تعداد محبِ اسلام عنصر کی بھی ہے۔ چنانچہ اس تنظیم کے زیر انتظام اسلامی تحریک کے تقریباً ۱۲ نمایاں رہنما چھاپہ مار کارروائیوں کے دوران جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں جن میں صلاح حسن خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[1]۔ عاصفہ فتح ہی کا عسکری بازو ہے۔ یہ کوئی الگ تنظیم نہیں ہے۔

۲۔ الجبہۃ الشعبیۃ لتحریر فلسطین (عوامی محاذ برائے آزادیٔ فلسطین)۔ اس تنظیم کا سربراہ ڈاکٹر جارج حبش ہے۔ یہ بڑا متعصّب اور دشمنِ اسلام عیسائی ہے۔ بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں اس نے تعلیم پائی ہے۔ عوامی محاذ (پاپولر فرنٹ) کی قیادت سے پہلے یہ عرب قوم پرستوں کی تحریک "القومیون العرب" میں شامل تھا۔ "القومیون العرب" کی تحریک لبنان اور شام کے عیسائیوں نے قائم کر رکھی ہے۔ بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کا مرکز ہے۔ اور اس کا مقصد لادینیت اور قدیم جاہلی تہذیبوں کی بنیاد پر عربوں کو متحد کرنا ہے[2]۔ آوارہ منش اور اخلاقی اور دینی اقدار سے نفرت کرنے والے نوجوان اس تحریک کا اصل سرمایہ ہیں۔ اس تحریک کے اکثر نوجوان ڈاکٹر جارج حبش کی قیادت میں اب پاپولر فرنٹ میں شامل ہو چکے ہیں۔ پہلے وہ امریکہ کے مقاصد کے تحت کام کر رہے تھے اور اب مارکسزم کا لبادہ اوڑھ کر فلسطین کی تحریکِ آزادی کی روحِ رواں بنے ہوتے ہیں۔ گو وہ مذہب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر صلیبی روح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جارج حبش اور اس کے ساتھی مارکسزم کے پردے میں عربوں اور مسلمانوں کے اندر تفرقہ اندازی اور ذہنی انتشار پیدا کر رہے ہیں۔

پاپولر فرنٹ اور جارج حبش اب کھلم کھلا اپنے آپ کو مارکسزم کا علمبردار کہتے ہیں۔ پاپولر فرنٹ کے سرکاری

---

[1] ہفت روزہ المجتمع، کویت، یکم ستمبر ۱۹۷۰ء

[2] ھٰذا العالم العربی تالیف نبیہ ابین فارس صدر شعبۂ تاریخ امریکن یونیورسٹی بیروت ص ۱۹۷ تا ۲۰۴۔

آرگن ہفت روزہ الہدف (بیروت) نے واضح کر دیا ہے کہ فرنٹ کا نظریۂ انقلاب وہی ہے جو مارکس، اینجلز اور لینن نے پیش کیا ہے[1]۔ فرنٹ کی کامیابی کے لیے جارج حبش نے یہ ہدایت جاری کی ہے کہ تنظیم کے اندر برابر نظریاتی جنگ جاری رہنی چاہیے اور نوجوانوں کو مارکس کی تعلیمات کا قائل کرنا چاہیے[2]۔ جارج حبش کی نظر میں عربوں کی شکست کا اصل سبب مذہب کی افیون ہے[3]۔ اس افیون کا نشہ اتارنے کے لیے نوجوانوں کے فرسودہ عقائد پر مسلسل حملے کرتے رہنا چاہیے[4]۔ چھاپہ مار دستوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے جارج حبش کی ہدایت ہے کہ لڑنے والے نوجوانوں کو مذہبی وعظ سنانے کے بجائے تاریخ کی مارکسی تعبیر کا نظریہ سمجھایا جائے۔ اور انہیں بتایا جائے کہ یہ کشمکش بالآخران کے حق میں فیصلہ کرے گی[5]۔ پاپولر فرنٹ کی طرف سے جون ۶۷ء کی شکست کی تیسری سالگرہ کے موقع پر جو بیان جاری ہوا ہے اُس میں واضح کیا گیا ہے کہ فلسطین کی تحریکِ آزادی کے تین دشمن ہیں۔ ایک صہیونیت۔ دوسرے استعمار۔ اور تیسرے عربوں کی مذہبی روایات۔ ان تینوں دشمنوں سے نجات پانے کے لیے ترتیب یہ تجویز کی گئی ہے کہ پہلے مذہبی روایات کا قلع قمع کیا جائے اور پھر استعمار کا۔ اس کے نتیجے میں صہیونیت اپنی موت آپ مرجائے گی[6]۔ بیان میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ”ہماری جنگ کا میدان صرف اُردن اور فلسطین کا علاقہ نہیں ہے بلکہ وہ تمام عرب ممالک ہیں جو قدامت پرستی کے علمبردار ہیں اور سعودی عرب جن میں سرفہرست ہے۔ قدامت پرستی اور خرافات کی ساری غلاظت سعودی عرب کے مغربی حصّہ سے برآمد ہو رہی ہے۔“ ظاہر ہے کہ یہ صاف اشارہ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منوّرہ کی طرف ہے، کیونکہ سعودی عرب کے مغربی حصّہ میں یہی مقامات واقع ہیں۔ پاپولر فرنٹ کی نگاہ میں یہی ”خرافات کی غلاظت“ کے مرکز ہیں جن کا خاتمہ ہونا چاہیے، لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ پاپولر فرنٹ نے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے دو محاذوں کی طرف اشارہ کیا ہے، ایک اُردن کا محاذ اور دوسرا جنوبی عرب کا محاذ۔ یہ دونوں محاذ اسرائیل کا قلع قمع کرنے سے پہلے مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں[8]۔

---

۱ الہدف ۲ جون ۱۹۷۰ء ۲ ایضاً ۳ ایضاً ۴ ایضاً ۵ ایضاً ۶ ایضاً ۷ بیان پاپولر فرنٹ مجریہ ۵ جون ۱۹۷۰ء۔

۸ الہدف ۱۲ جون ۱۹۷۰ء۔ ملاحظہ ہو مضمون: ثوّار الخلیج العربی المحتل یحدّدون مہمات المرحلۃ (خلیج عربی کی انقلاب پسند طاقتوں کا موجودہ جنگی منصوبہ)۔

پاپولر فرنٹ خالصتہ مارکسی تحریک کا دعویٰ کرتا ہے۔ چنانچہ فرنٹ کے نوجوان علانیہ مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بیروت کے اخبارات موافقف اور الطریق اور الھدف، قاہرہ کا اخبار الطلیعہ، عراق کا اخبار الثقافۃ الجدیدۃ اور شام کا اخبار المعرفہ، یہ سب پاپولر فرنٹ کے نظریات کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اخبارات ہر شمارے میں مذہبی اقدار پر شدید حملے کرتے رہتے ہیں۔ الھدف کے ۱۲ جون کے شمارے میں "حال الدنیا" کے عنوان سے توفیق زیاد کا ایک افسانہ شائع ہوا ہے جس میں قرآن کے اس بیان کا تمسخر اڑایا گیا ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو چھ روز میں پیدا کیا۔ اور افسانے کی کہانی سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایک درزی مولوی صاحب کا جُبّہ تین مہینے میں نہیں سی سکا تو "اللہ" نے چھ روز میں کیسے زمین و آسمان کھڑے کر دیئے۔ مولوی کی زبان سے حضرت ابوذر رضؓ کو سب سے بڑا شیطان کہا گیا ہے (نقلِ کفر کفر نباشد۔ نعوذ باللہ من ذٰلک الف مرۃ)۔ اسی طرح تفسیر اور حدیث کی تمام کتابوں کا نام لے لے کر ان کی تضحیک کی گئی ہے۔

عوامی محاذ شروع میں ایک ہی قیادت کی نگرانی میں تھا، مگر بعد میں اس میں پھوٹ پڑ گئی اور دو نئے محاذ الگ الگ قیادتوں کے تحت وجود میں آگئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۳- الجبھۃ الشعبیہ الدیمقراطیہ (ڈیموکریٹک پاپولر فرنٹ)۔ اس کا قائد بھی ایک عیسائی ہے جس کا نام ہے نائف حواتمہ۔ اس کے مقاصد اور طریقِ کار بھی وہی ہیں جن کا علمبردار جارج حبش ہے۔ مفادات کے اختلاف کی وجہ سے یہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہیں۔

۴- الجبھۃ الشعبیہ لتحریر فلسطین (پاپولر فرنٹ برائے آزادیٔ فلسطین) یہ محاذ بھی جارج حبش سے الگ ہونے والوں پر مشتمل ہے۔ اس کا سربراہ احمد جبریل ہے۔ یہ شخص روس نواز کمیونسٹ ہے مصر اور شام کے اتحاد کے زمانے میں شامی فوج میں تھا اور اسرائیل کی جاسوسی کے الزام میں اسے فوج سے نکال دیا گیا تھا۔ اب وہ فدائیین کا نمایاں لیڈر بنا ہوا ہے۔ اس فرنٹ کے تحت ایک عسکری تنظیم بھی ہے جسے "ہائی کمان" کہا جاتا ہے۔

۵- قوات الانصار (الانصار فورسز)۔ یہ تنظیم مکمل طور پر کمیونسٹوں کے ہاتھ میں ہے۔ عراق، شام، لبنان، اُردن اور فلسطین کے کمیونسٹ اس میں جمع ہیں۔ یہ تنظیم اپنے حامیوں میں سے ہر فرد کو ۲۵ اُردنی

دینار ماہانہ امداد دیتی ہے۔ اور یوں پیسے کے بل بوتے پر کم عمر نوجوانوں کو استعمال کرتی ہے۔

۶۔ قوات التحریر الشعبیۃ (لبریشن پیپلز فورس)۔ اِس تنظیم پر بھی کمیونسٹوں کا قبضہ ہے جیش التحریر الفلسطینی (آزادیٔ فلسطین کی فوج) کے نام سے اس نے اپنا فوجی نظام قائم کر رکھا ہے۔

۷۔ صاعقہ۔ فلسطینیوں کی یہ تنظیم شام کی بعث پارٹی کی پروردہ ہے۔ اور بعثیوں اور قوم پرستوں پر مشتمل ہے اور شامی حکومت کے اشاروں پر اپنا نقشہ عمل تیار کرتی ہے۔ طلائع حرب التحریر الشعبیۃ (عوامی جنگِ آزادی کے دستے) کے نام سے اس کی ایک فوجی تنظیم بھی ہے۔ جمیعان اور یاسر عمر اس کے سربراہ ہیں۔ شام کا سابق وزیر اعظم یوسف زعین اس کا سرپرست ہے۔

۸۔ منظمۃ فلسطین العربیہ (فلسطین عرب آرگنائزیشن)۔ یہ عراق کی حکمران پارٹی کی کٹھ پتلی تنظیم ہے اور عراقی حکومت کے مقاصد کے تحت کام کرتی ہے۔

۹۔ الھیئۃ العاملۃ لتحریر فلسطین (ورکنگ باڈی برائے آزادیٔ فلسطین)۔ یہ تنظیم مصر کے تابع ہے ڈاکٹر عصام صرطاوی اس کا سربراہ ہے۔

۱۰۔ جبھۃ التحریر العربیۃ (عرب محاذ آزادی) یہ تنظیم بھی مصر کی آلہ کار ہے۔

۱۱۔ جبھۃ النضال الشعبی الفلسطینی (عوامی جنگی محاذ)۔ اس محاذ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے اسرائیل کی بعض پارٹیوں کی حمایت اور تائید حاصل ہے۔

۱۲۔ الجبھۃ الشعبیۃ (عوامی محاذ)۔ اس کا سربراہ احمد زعرور ہے۔

ان تمام تنظیموں پر آپ نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ فتح کے سوا تقریباً تمام تنظیمیں بیرونی طاقتوں کی کٹھ پتلی ہیں، تقریباً تمام تنظیمیں نظریاتی لحاظ سے اشتراکیت اور قومیت کی علمبردار ہیں اور بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہیں، اور ہر تنظیم کے اندر کمیونسٹ عنصر گھسا ہوا ہے۔ خود فتح کے اندر بھی اکثریت بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہے اور مارکس اور ماؤ کے افکار کی حامی ہے۔

فدائیین نے پچھلے دنوں اُردن کے اندر جو ہنگامے برپا کیے ہیں، وہ محض اتفاقی حادثہ نہ تھے بلکہ ۱۹۷۰ء کا سال طلوع ہوتے ہی اِس فتنۂ عظیم کے بھڑک اٹھنے کی پیشین گوئی کر دی گئی تھی۔ خود یاسر عرفات ۱۹۷۰ء کو

"آزمائش کا سال" کہہ چکے تھے۔ بلکہ اسرائیلی اخبارات نے تو راجرز پلان کے فوراً بعد یہ لکھنا شروع کر دیا تھا کہ "اصل اہمیت اِن کارروائیوں کی نہیں ہے جن کا تعلق راجرز پلان سے ہے، بلکہ اصل اہمیت ان حالات کی ہے جو راجرز پلان کے نتیجے میں دنیائے عرب کے اندر واقع ہوں گے[1]" دوسرے لفظوں میں اِن خصوصی حالات، کو جنم دینے کا منصوبہ پہلے سے تیار کیا گیا تھا اور یہ کہنا غلط ہے کہ المیۂ اردن کا تعلق اس بات سے ہے کہ شاہ حسین نے راجرز پلان کو تسلیم کر لیا تھا اور فدائیین نے اُسے قبول نہیں کیا۔ اب ایک نظر اُس منصوبہ پر ڈالیے جو فدائیین اور شاہ حسین کی باہمی جنگ کے پسِ پردہ کارفرما تھا اور شاید آئندہ بھی اُسے دوبارہ رُوبعمل لایا جائے۔

راجرز منصوبہ کے تحت بظاہر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسرائیل جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں حاصل کردہ علاقوں کو خالی کر دے گا۔ مگر کیا اسرائیل اِن علاقوں کو خالی کرنے کے بعد اُسے عربوں کے حوالے کر دیگا؟ اور کیا بڑی طاقتیں (امریکہ اور روس) یہ گوارا کر لیں گی کہ یہ علاقے واپس عربوں کو مل جائیں؟ ان سوالوں کا جواب ہفت روزہ الجدید، بیروت کے نامہ نگار مقیم نیویارک کے مندرجۂ ذیل مراسلے میں دیکھا جا سکتا ہے:

"روسی ذرائع کے مطابق ماسکو نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ماسکو واشنگٹن کے ساتھ مل کر اُن عرب علاقوں میں مشترکہ فوجیں بھیجنے کے لیے تیار ہے جنہیں عربوں اور اسرائیل کے درمیان غیر مسلح اور غیر جانبدار علاقے قرار دیا جائے گا تاکہ اسرائیل کی سرحدیں دو بڑی طاقتوں کی حفاظت میں ہر لحاظ سے پُرامن رہیں۔ رُوسی نمائندوں نے دو طاقتی مذاکرات کے دوران امریکی حکومت پر یہ واضح کر دیا تھا کہ رُوس اس بات کے لیے تیار ہے کہ اُس نے عربوں کے ساتھ جو وعدے کر رکھے ہیں ان کی شدت کے ساتھ پابندی نہ کرے۔ خاص طور پر یہ وعدہ کہ اسرائیل کو جون ۱۹۶۷ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس لایا جائے۔ اب روسی نمائندوں

[1] بحوالہ روزنامہ الحیاۃ، بیروت شمارہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء۔

نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ "پُرامن سرحدوں" سے مراد وہی سرحدیں ہیں جن کا تقاضا نئے حالات کرتے ہیں۔ چنانچہ جولان کی پہاڑیاں جو اسرائیل کے امن کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتی ہیں غیر مسلح علاقہ ہوں گی۔ اسی طرح وہ تمام علاقے جن کا تحفظ فوجوں سے نہ ہو سکے گا غیر مسلح قرار دیئے جائیں گے۔ سویز میں اور خلیج عقبہ میں اسرائیل کے لیے جہاز رانی کی آزادی کی ضمانت دی جائیگی۔ امریکی اور روسی فوجیں جو ان علاقوں میں متعین کی جائیں گی انہیں یوتھانٹ کی قیادت میں دیا جائے گا۔ اور یوتھانٹ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ان علاقوں کا تعین کر دے جنھیں غیر مسلح کر دیا جائے یا بین الاقوامی نگرانی میں دے دیا جائے۔[1]

اور جب بین الاقوامی طور پر "پُرامن حدود" کا تعین ہو جائے گا تو اس کے بعد ایک فلسطینی ریاست وجود میں لائی جائے گی جس میں تمام فلسطینی مہاجرین جمع ہو جائیں گے۔ یہ فلسطینی ریاست دریائے اردن کے مغربی کنارے، اور اردن کے بعض علاقوں اور شام کے بعض شمالی علاقوں پر مشتمل ہوگی۔ اِس ریاست کو غیر مسلح رکھا جائے گا اور اسے اقوامِ متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے گا یہاں تک کہ یہ ترقی کی منزلیں طے کرلے۔[2]

یعنی اسرائیل جو علاقے خالی کرے گا انہیں غیر مسلح قرار دے کر اُن میں سے بعض علاقوں میں ایک "فلسطینی ریاست" قائم کی جائے گی۔ یہ تھا اصل منصوبہ۔ اِس کے ساتھ ہی سوال یہ پیدا ہوا کہ اس مجوزہ فلسطینی ریاست کی سربراہی فلسطینیوں کے کس گروہ کے ہاتھ میں ہوگی؟ فتح کی تنظیم اور یاسر عرفات کی قیادت اسرائیل، امریکہ اور روس تینوں کے نقطۂ نظر سے موزوں نہیں ہے، کیونکہ فتح کے اندر اسلام پسندوں کا ایک مضبوط گروہ موجود ہے۔[3] اسرائیل فتح کو مذہب پسند تنظیم سمجھتا ہے۔ اسرائیل کے اخبار یروشلم پوسٹ کے الفاظ

---

[1] یہ اشارہ بیت المقدس کی طرف ہے جسے اسرائیل، امریکہ اور روس تینوں بین الاقوامی نگرانی میں دینا چاہتے ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو ہفت روزہ المجدید، بیروت، شمارہ ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء۔

[3] المجتمع، کویت، یکم ستمبر ۱۹۷۰ء

یہ ہیں :

"فتح کا لفظ قرآن سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ہے تکلیف اور تنگی کے بعد نصرت اور کشادگی ۔ مثلاً قرآن کے اندر وارد ہے کہ "نصرٌ من اللہ و فتح قریب" یہ تنظیم مذہبی احساسات اور جذبات سے مربوط ہے[1]"

فتح کا ایک تصوّر یہ بھی ہے ، جس کی وجہ سے اس کو ناپسند کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندرونی نقائص کے باوجود کسی بیرونی طاقت سے سودے بازی کرنے کے لیے تیار نہیں ہے ۔ مگر دوسری طرف یہ فلسطینیوں کی سب سے مقبول ترین تنظیم ہے ۔ اس کے مقابلے میں دوسری تمام تنظیمیں چھوٹے چھوٹے گروہوں پر مشتمل ہیں اور اخباری پروپگنڈے کے سوا آزادیٔ فلسطین کی کوششوں میں عملاً اُن کا کوئی حصّہ نہیں ہے ۔ بین الاقوامی کانفرنسوں میں یاسر عرفات کی متواتر شرکت نے یاسر عرفات کو غیر معمولی شہرت دے دی ہے اور اُسے فلسطینی اور غیر فلسطینی عرب اپنا نمائندہ تسلیم کرتے ہیں ۔ فتح کی "یہ آزادروی" اور یاسر عرفات کی ہردلعزیز قیادت نہ اسرائیل کو گوارا ہے اور نہ امریکہ اور روس کو ۔ چنانچہ یہ تینوں طاقتیں ایک ایسی قیادت کی تلاش میں تھیں جسے وہ اطمینان کے ساتھ مجوزہ فلسطینی ریاست کی زمامِ حکومت سونپ سکیں ۔

اس کام کے لیے جارج حبش کو منتخب کیا گیا ۔ امریکن یونیورسٹی بیروت کا تعلیم یافتہ یہ شخص مغربی بلاک کو بھی منظور ہے اور اشتراکی بلاک کو بھی ۔ جارج حبش ، نائف حواتمہ ، احمد جبریل اور دوسرے لیڈروں کے اندر باہمی اختلافات خواہ کتنے ہی ہوں ، ایک چیز ان سب میں مشترک ہے اور وہ ہے عربوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کی خواہش ۔ چنانچہ جارج حبش اور اس کے پاپولر فرنٹ کو اچھالنے کے لیے اور فلسطینیوں کے اندر جارج حبش کی قیادت کا سکّہ منوانے کے لیے بین الاقوامی سازش کے تحت جو مختلف حربے اختیار کیے گئے ان میں سے ایک حربہ یہ بھی تھا کہ جارج حبش کے گروہ نے مسافر بردار طیّاروں کا اغوا شروع کر دیا اور یہ اغوا شدہ طیارے اردن کے اندر اُتارے جانے لگے ۔ فلسطینی نوجوان جو کیمپوں کی زندگی بسر کر رہے تھے اور استعمار کے خلاف جذبات سے بھرے ہوئے تھے ، جارج حبش کی اِس نئی چال پر عش عش کر اُٹھے اور پاپولر فرنٹ کے گوریلوں کو خوب خوب

[1] یروشلم پوسٹ شمارہ ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء بحوالہ کتاب "جہاد شعب فلسطین" تالیف صالح مسعود ابو بصیر وزیر خارجہ لیبیا ۔

داد دی گئی۔ اس طرح قدرتی طور پر فلسطینی نوجوانوں کی نگاہیں جارج حبش پر گڑ گئیں اور وہ یاسر عرفات کے بجائے جارج حبش کو فلسطین کا نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ تمام عرب ممالک نے طیاروں کے اغوا کی مذمت کی۔ یاسر عرفات نے بھی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا[1]۔ مغربی پریس نے طیاروں کے اغوا کی داستانوں کو خوب اچھالا اور ان گوریلوں کو بڑی اہمیت دی جو طیارے اغوا کر رہے تھے۔ لیلیٰ خالد کو بے مثال ہیروئن بنانے کی کوشش کی گئی۔ بڑے بڑے لمبے مضامین اس پر لکھے گئے۔ حالانکہ اس لڑکی کی اپنی حیثیت مشکوک ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ یہ لڑکی جو امریکن یونیورسٹی بیروت کی تعلیم یافتہ ہے، امریکہ کے ادارہ جاسوسی کی کارکن ہے۔ امریکی اور یہودی پریس نے اس کی عظمت اور فدائیت کے جو گن گائے ہیں وہ اس شبہ کو مزید تقویت پہنچاتے ہیں۔ اسرائیل کے مشہور اخبار معاریف نے لکھا ہے کہ "لیلیٰ خالد بڑی جانباز لڑکی ہے۔ یہ اپنے مشن کو سرانجام دینے کی غیر معمولی طاقت رکھتی ہے۔ اور مشرق اوسط کے مسئلے میں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے[2]۔" طیاروں کے اغوا پر فلسطین کے فدائیین جس قدر خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے دنیا کے اندر اسی قدر رائے عامہ ان کے خلاف جذبات کا اظہار کر رہی تھی۔ ان کے بارے میں جن حلقوں کے اندر ہمدردی کے جذبات ابھر رہے تھے وہ بھی ان کی مذمت پر اتر آئے۔

جارج حبش کو فلسطینیوں کا اصل لیڈر بنانے کے لیے عرب ملکوں کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ اخبارات نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۷۰ء کو امریکہ، روس اور اسرائیل (اور برطانیہ بھی اس میں شامل ہے) نے جارج حبش کے ذریعہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کر دیا جو غیر مسلح فلسطینی ریاست کی تشکیل کے لیے ان طاقتوں نے سوچ رکھا تھا۔ امریکہ کے ادارہ جاسوسی کی رپورٹ یہ تھی:

> "اردنی حکومت اور فدائیین کا باہمی تصادم دونوں فریقوں کو نڈھال کر کے رکھ دے گا اور دونوں فریق پیشِ نظر منصوبہ کے نفاذ کو نہ روک سکیں گے۔ نیز اردن کو مکمل مایوسی سے دوچار کر دینے کے بعد دوسرے عرب حکمرانوں کی صفوں کے اندر بھی ناامیدی پیدا ہو جائے گی[3]۔"

۱۔ الحیاۃ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء

۲۔ معاریف یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء۔ اس لڑکی کا تازہ ترین بیان یہ ہے کہ وہ کمیونسٹ ہے اور خدا کو نہیں مانتی ہے۔ اس کے نزدیک حسین اسرائیل سے بھی بڑا دشمن ہے۔

۳۔ بحوالہ الجدید ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء۔

جارج حبش کے پاپولر فرنٹ اور فدائیین کی بائیں بازو کی تنظیموں کے اندر یہ نعرہ پھیلایا گیا کہ "فلسطین کو اگر آزاد کرایا جا سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ پہلے عمان کی حکومت کو ختم کر دیا جائے"[1]۔ یہ نعرہ سوشلسٹ عناصر کی طرف سے پہلے بھی بارہا لگایا جا چکا تھا، مگر اس مرتبہ اسے مہاجرین کے کیمپوں اور فدائیین کے محاذوں میں پوری قوت کے ساتھ پھیلایا گیا اور فتح کے سوا ہر تنظیم نے اِسے خوب ہوا دی۔ بلکہ فتح کے عام کارکن بھی اِس نعرے سے مرعوب ہو گئے تھے۔ اِس خانہ جنگی کی دلیل یہ پیش کی گئی کہ اُردن نے راجرز پلان کو تسلیم کر لیا ہے جبکہ فدائیین کی تمام تنظیموں نے بشمول فتح اسے مسترد کر دیا ہے کیونکہ ان تنظیموں کی نگاہ میں مسئلہ فلسطین کا اصل حل جنگ ہے اور "پرامن حل" فلسطین کے خلاف سازش ہے۔ لیکن جب یہ سوال اُٹھا کہ مصر نے بھی تو راجرز پلان کو تسلیم کر لیا ہے پھر مصر کے خلاف خانہ جنگی کا اعلان کیوں نہیں ہوتا؟ تو مصر کی حامی تنظیموں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہم جمال عبدالناصر کی قیادت پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور راجرز پلان کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جمال عبدالناصر کسی خاص مجبوری کی بنا پر اس حل کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یہ تنظیمیں شاہ حسین کو یہ رعایت دینے کے لیے تیار نہ تھیں۔

فدائیین کی اکثر و بیشتر تنظیمیں عمان میں رہتی ہیں۔ اسرائیل کے خلاف چھاپہ مار کارروائیوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پروپگنڈا اور اشتہار بازی ان کی کل کائنات ہے۔ ان کے نوجوان مسلح ہو کر جنگی اڈوں میں کارنامے سرانجام دینے کے بجائے شہروں کے بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں اور دوکانداروں سے چندے وصول کرتے ہیں۔ جارج حبش، نائف حواتمہ اور احمد جبریل اور الانصار فورسز کی شہ پر فدائیین کی تنظیموں کے کم سن ارکان نے عمان اور دوسرے شہروں میں یک لخت ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ دکانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ لوگوں کے گھروں میں گھس کر انہیں مجبور کیا کہ وہ حسین سے بیزاری کا اعلان کریں ورنہ انہیں غداری کے الزام میں قتل کر دیا جائے گا۔ بلکہ بعض مقامات پر بالفعل انہوں نے "غداری" کے الزام میں کئی افراد کو قتل کر ڈالا۔ جارج حبش اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے اُردنی اور فلسطینی کی عصبیت بھی بھڑکائی گئی[2]۔ پاپولر فرنٹ اور دوسری تنظیموں کے نوجوان مسجدوں میں گھس جاتے اور ماؤ کی تصاویر مسجدوں کے اندر آویزاں کرتے۔ ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ قرآن کریم کے نسخے انہوں نے زمین پر پھینکے، اسلام کے خلاف نعرے لگائے، اور اشتراکی انقلاب

---

[1] ماہنامہ فلسطین، بیروت، شمارہ اکتوبر ۱۹۷۰ء۔ [2] الحیاۃ، بیروت ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء

لانے کے نشہ میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو شدید مجروح کیا۔ الغرض اس قدر ملک کے اندر بدامنی ہنگامہ آرائی، لوٹ کھسوٹ، اور دارو گیر کا بازار گرم کیا گیا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ اردن میں کوئی حکومت موجود نہیں ہے[1]۔ کمیونسٹوں نے بعض شہروں میں سُرخ پرچم بھی لہرا دیا اور اُردن کے اندر کمیونسٹ حکومت کے قیام کے خواب دیکھنے لگے۔

اُردن کی فوج اور پولیس نے جو ملک کے اندر شدید انتشار اور بدامنی پر چین بجبیں ہو رہی تھی، شاہ حسین کو حالات پر توجہ دلائی۔ ایک فوجی افسر محمد داؤد نے شاہ حسین کے سامنے اپنے جن جذبات کا اظہار کیا، الحیاۃ بیروت کی رپورٹ کے مطابق وہ یہ ہیں:

"پورا ملک لامتناہی انتشار میں غرق ہے۔ اُردن کا شمالی علاقہ فوج کے قبضے سے نکل چکا ہے اور فلسطین فدائیین کے قبضہ میں نہیں بلکہ انقلاب پسندوں اور مارکسزم کے علمبرداروں کے قبضے میں جا چکا ہے۔ کمیونسٹوں اور شوشلسٹوں کے گروہ چاروں طرف سے وہاں جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے مارکسزم کا جھنڈا لہرا دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ یہ لوگ تمام معاہدوں کو توڑ چکے ہیں اور اربد، زرقاء، المفرق، جرش اور خود عمان کے ایک حصہ پر اپنی حکومت قائم کر چکے ہیں۔ قانون اور نظام کی عملداری ختم ہو چکی ہے۔ اور اب ہم فوج کے جذبات کو قابو میں رکھنے سے عاجز ہیں[2]۔"

فتح کی تنظیم ابتداءً اس ہنگامہ آرائی کے خلاف تھی۔ مگر جب دوسری تمام تنظیموں نے حالات کو اپنی منشا کے مطابق ڈھال لیا اور زمامِ کار فتح کے ہاتھ سے نکل گئی تو فتح کے نوجوانوں نے بھی وہی موقف اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا جو جارج حبش اور احمد جبریل کا تھا یعنی اسرائیل کے خلاف جنگ لڑنے سے پہلے حسین کی حکومت ختم کی جائے۔ اِس طرح فتح بھی اُسی سازش کا شکار ہو گئی جو بیرونی طاقتوں نے تیار کی تھی۔ کمیونسٹوں نے اپنی معروف تکنیک کے مطابق فتح کے نوجوانوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ہنگاموں کی تمام ذمہ داری فتح پر ڈالتے رہے اور شہروں پر پھریرا اپنا لہراتے رہے۔

[1] الحیاۃ، بیروت ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء۔ [2] ایضاً

اس موقع پر جمال عبد الناصر کی طرف سے شاہ حسین کو جو پیغام بھیجا گیا وہ قابلِ مطالعہ ہے۔ یہ پیغام مصر کا چیف آف سٹاف محمد صادق لے کر آیا اور اس پر جمال ناصر کے ساتھ ساتھ لیبیا کے صدر اور سوڈان کے صدر کے بھی دستخط تھے۔ اس تحریری پیغام کے الفاظ یہ ہیں:

"فلسطین کی تحریک مزاحمت کے شریفانہ کردار کو جماعتی مفادات کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہم اس بازاری سیاست میں دخل دینے سے گریز کرتے رہے ہیں، لیکن اب ناگزیر ہو گیا ہے کہ حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے اچھے عنصر کی مدد کی جائے۔ ہمارے نزدیک اُردنی قوم اور اردن کے امن اور اُردن کی حکومت کی ذمہ دارانہ حیثیت کا تقاضا ضروری ہے۔ حالیہ ہنگاموں نے مزاحمت کی تحریک ہی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے بلکہ پُوری عرب قوم کی رسوائی کر دی ہے، عربوں کی شہرت کو خراب کیا ہے اور جنگِ آزادی کے تقدس کو داغدار کیا ہے[1]"

اس خط کے صاف معنی یہ تھے کہ ان تینوں عرب سربراہوں کی رائے میں حسین کو فدائیین کے خلاف فوری کارروائی کرنی چاہیے اور "اچھے عنصر" کی مدد کر کے فتنہ پسند عنصر کا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ "اچھے عنصر" سے جمال عبد الناصر اور لیبیا اور سوڈان کے سربراہوں کی کیا مُراد تھی، یہ معمّہ حل نہیں ہو سکا۔ کیونکہ اگر اس سے مراد اُردن کی فوج تھی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خط کے فوراً بعد لیبیا کی طرف سے اُردن کی مالی امداد کا سلسلہ کیوں بند کر دیا گیا جو تیس ملین اسٹرلنگ پونڈ سالانہ کی مقدار میں وہ جون ۶۷ء کی جنگ کے بعد سے اُردن کو دیتا چلا آ رہا تھا[2]۔ اور اگر اُردنی قوم، اُردن کے امن اور اُردنی حکومت کی ذمّہ دارانہ حیثیت کے تقاضا کا ضامن اُردن کی فوج کے سوا کوئی اور "اچھا عنصر" تھا تو آخر وہ کون تھا؟ بہرحال اب صورتِ معاملہ یہ سامنے آئی کہ ایک طرف مصر، سوڈان اور لیبیا کی طرف سے شاہ حسین کو اُن عناصر کی سرکوبی کا مشورہ دیا گیا جو فلسطین کی تحریکِ مزاحمت کو اپنے جماعتی مفادات کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ دوسری طرف لیبیا نے حسین کو مالی امداد دینا بند کر دی، تیسری طرف شام نے اپنے دو فوجی بریگیڈ اُردن میں داخل کر دیے اور انہیں اپنی پروردہ تنظیم

---

[1] الحیاۃ، بیروت، شمارہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء

[2] "جہاد شعب فلسطین" تالیف سالح مسعود البصیر وزیر خارجہ لیبیا، مطبوعہ بیروت، ص ۵۵۵۔

صاعقہ کے تصرف میں دے دیا[1] اور چوتھی طرف عراق کی حکومت نے ۱۲ ہزار عراقی فوج کو جو اسرائیل کے مقابلے کے لیے اُردن میں مقیم ہے۔ فدائیین کے تصرف میں دینے کا اعلان کر دیا[2]۔ اِن تمام کارروائیوں کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ نکلنا چاہیے تھا کہ حسین کی فوج اور فدائیین دونوں میں شدید تصادم ہو جائے اور دونوں لڑ مر کر اس قدر نڈھال ہو جائیں کہ امریکہ کے ادارۂ جاسوسی کے اندازہ کے مطابق امریکہ اور روس کے لیے فلسطین کے خلاف اپنی سازش بروئے کار لانا آسان ہو جائے تمام عرب سربراہ بھی امریکہ اور روس کی اس سازش کے شکار ہو گئے، کیونکہ ایک طرف انہوں نے خود شاہ حسین کو فدائیین کی سرکوبی پر اکسایا اور دوسری طرف خود ہی فدائیین کی حمایت میں اُردن کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ کسی دلیل سے بھی اس دورخی پالیسی کو معقول ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال دونوں فریقوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اردنی اور فلسطینی کے درمیان نفرت و عصبیت کا لاوا پھٹ پڑا۔ دونوں ایک دوسرے کو اُسی طرح اپنا دشمن سمجھنے لگے جس طرح عرب یہودیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ مغربی پریس نے اس خانہ جنگی کو خوب اچھالا اور مبالغہ آمیز خبریں شائع کیں اور اس جنگ کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہا۔ برطانیہ کے اخبار گارجین نے لکھا کہ "شاہ حسین کو چاہیے کہ نظامِ سلطنت بحال کرنے کے لیے فوری اور مؤثر اقدام کریں"۔ فرانس کے اخبار نودل آبزرویٹر نے لکھا: "تمام ملک کے اندر جنگ پھیل چکی ہے، عمان ہوٹل توپوں کا نشانہ بنا ہوا ہے اور سینکڑوں صحافی اس ہوٹل کے اندر گھرے ہوئے ہیں، مگر فدائیین کو حوصلے نہ ہارنے چاہییں"[3]۔ شام کی حکومت نے اپنا ریڈیو اسٹیشن فدائیین کے حوالے کر دیا چنانچہ اس جنگ کو بھڑکانے میں شام کے ریڈیو نے غیر معمولی کردار ادا کیا۔ مغربی اخبارات نے شہ سرخیوں سے یہ خبر

---

[1] شام نے بعد میں اپنی یہ فوج واپس بلا لی۔ اس لیے کہ خود شام کے اندر ریتی حکومت کے خلاف انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

[2] عراقی حکومت نے بھی بعد میں عراقی فوج کو احکام جاری کر دیئے کہ وہ اردن کے ہنگاموں میں عملاً کوئی حصہ نہ لے۔ گویا پہلے فدائیین سے فوجی تعاون کا وعدہ کر کے انہیں آسمان پر اٹھا دیا اور پھر جب وقت آیا تو دستِ تعاون کھینچ لیا۔

[3] بحوالہ "فلسطین" بیروت شمارہ اکتوبر ۱۹۷۰ء۔

چھاپیں کہ اس جنگ میں ۲۵ ہزار افراد مارے گئے ہیں۔ خود یاسر عرفات نے قاہرہ کانفرنس میں یہ بتایا کہ ۱۵ ہزار آدمی مارے گئے ہیں[1]۔ حالانکہ اسی کانفرنس میں شاہ حسین نے بیان کیا کہ مقتولین کی تعداد ۳ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ پھر تونس کے وزیرِ خارجہ باہی اَدغم کی قیادت میں عرب سربراہوں کی طرف سے جو تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی تھی اُس نے اُردن کا دورہ کرنے کے بعد یہ رپورٹ دی کہ مقتولین کی تعداد ۱۴۰۰ اور مجروحین کی ۲ ہزار ۳ سو تھی[2]۔

اس خانہ جنگی سے صرف اسرائیل کو فائدہ پہنچا ہے۔ امریکہ، روس اور برطانیہ کی یہ سازش کہ ایک کٹھ پتلی فلسطینی ریاست وجود میں لائی جائے شاہ حسین کی جرأت اور قاہرہ کانفرنس میں غیر سوشلسٹ حکومتوں کے نمایندوں کی حکمتِ عملی کی وجہ سے اس مرحلہ میں وجود میں آنے سے رُک گئی ہے۔ مگر اس کے امکانات ابھی پوری قوت اور شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ اسرائیل کو اس جنگ سے جو فائدہ پہنچا ہے وہ اُس کی توقع سے بھی بڑھ کر ہے۔ فرانس کے مشہور روزنامہ فیگارو کے سیاسی مقالہ نگار، رینے بادوک نے ۱۷ ستمبر ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں اس پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے:

"یہ ماننا پڑے گا کہ پچھلے چند ہفتوں سے گولڈا مائر کو خود عربوں کی طرف سے بھاری بھرکم امداد ملی ہے۔ مصر نے جنگ بندی کے معاہدے کی جو بار بار خلاف ورزی کی، فدائیین نے طیاروں کو اغوا کر کے جس فضائی قزاقی کا ثبوت دیا اور اردن کے اندر جو خانہ جنگی ہوئی، یہ سب باتیں اسرائیل کی وزیرِ اعظم کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ گولڈا مائر اب واشنگٹن میں اپنے موقف کو زیادہ قوت کے ساتھ پیش کر سکتی ہے اور وہائٹ ہاؤس سے دو باتیں بآسانی منوا سکتی ہے۔ ایک ۹۰ کروڑ ڈالر کا قرضہ۔ دوسرے راجرز پلان اور سلامتی کونسل کی قرارداد میں یہ تبدیلی کہ جولان کی پہاڑیوں اور تیران پر اسرائیل کا قبضہ رہے اور دریائے اردن کے مغربی کنارے اور سینا کو غیر مسلح علاقے قرار دے دیا جائے۔"

اس المیہ کے اندر مصر کا موقف عجیب و غریب رہا ہے۔ خانہ جنگی کے آغاز سے پہلے تک شاہ حسین کو

---

[1] الجدید، بیروت ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء - [2] ایضاً

جمال عبدالناصر کی پُوری پوری حمایت حاصل تھی۔ راجرز پلان کو تسلیم کر لینے کے بعد جمال عبدالناصر کی پوزیشن عرب ممالک میں سخت مجروح ہو گئی تھی اور راقم الحروف نے اپنے کانوں سے ان فلسطینیوں کی زبان سے جمال عبدالناصر کے حق میں نازیبا کلمات سُنے ہیں جو ۱۵ سال سے ناصر صاحب کی حمد کی تسبیح پڑھ رہے تھے مگر اس کے باوجود ناصر صاحب اور شاہ حسین کے تعلقات میں کوئی فرق نہ آیا۔ اردن کی خانہ جنگی کے آغاز میں ناصر نے شاہ حسین کی حمایت کا اعلان کیا تھا اور فوجی امداد تک دینے کا وعدہ کر دیا تھا۔ مگر جب فدائیین اور اردنی فوج کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور اخبارات اور ریڈیو اسٹیشنوں سے مبالغہ آمیز خبریں نشر ہوئیں تو ناصر صاحب کی طرف سے شاہ حسین کو مذمت کا برقینہ بھیجا گیا[1]۔ اور دونوں کے درمیان یہ کھچاؤ قاہرہ کانفرنس تک قائم رہا۔ ناصر صاحب اس بات پر بھی آمادہ تھے کہ ایک ادھوری فلسطینی ریاست کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ ناصر صاحب نے ایک مرتبہ یاسر عرفات سے دریافت کیا تھا کہ "فلسطین کی آزادی کے لیے کتنی مدت درکار ہے؟ یاسر نے جواب دیا کہ "حقیقت پسندانہ جواب یہ ہے کہ کم از کم بیس سال فلسطین کی آزادی کے لیے درکار ہیں" اس پر ناصر صاحب نے انہیں کہا کہ "تمہاری کیا رائے ہے اگر میں تمہیں بیس روز کے اندر آدھا فلسطین دلوا دوں"۔ نصف فلسطین پر مشتمل فلسطینی ریاست وجود میں لانے کی یہ وہی اسکیم ہے جو امریکہ اور روس تجویز کر چکے ہیں اور اردن کا مغربی کنارہ، شمالی اُردن کا کچھ علاقہ اور شام کا کچھ حصہ اس کے لیے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔

عراق اُردن کا شدید مخالف رہا ہے۔ عراق نے فوراً اعلان کیا کہ عراقی فوجیں فدائیین کے تصرّف میں دے دی جائیں گی۔ مگر اس اعلان کو عراق نے عملی جامہ نہیں پہنایا۔ عراق کا یہ رویّہ بلاشبہ انتہائی معنی خیز ہے لیکن جو شخص عراق کی موجودہ سیاست پر گہری نظر رکھتا ہے اُس کے لیے اس صورتِ حال کو سمجھنا دشوار نہیں ہے عراق کی حکمران بعث پارٹی جو بعث کی بین العرب کمانڈ کی حامی ہے اور مشہور عیسائی لیڈر میشل عفلق کی رہنمائی میں چل رہی ہے ایک طرف اشتراکیت کی علمبردار ہے اور دوسری طرف وہ انگریزی سامراج کے ساتھ گہرا رشتہ ناطہ رکھتی ہے۔ خود مصری سربراہ جمال عبدالناصر نے عراقی بعث پارٹی کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے وہ

---

[1] الجدید، بیروت، شمارہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء

یہ ہے:

"مصری سربراہ (جمال عبدالناصر) نے عراق کی حکمراں بعث پارٹی پر بھی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ قاہرہ کے پاس ایسے پختہ ثبوت موجود ہیں کہ عراق کے بعثی لیڈروں نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے اُس کے پس پردہ بین الاقوامی امپیریلزم کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ اور بین الاقوامی امپیریلزم نے عراق کے ذریعہ سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا ہماری موجودہ جنگ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ امپیریلزم بعثیوں کے اس موقف سے فوجی، سیاسی اور اقتصادی، فوائد حاصل کر رہا ہے[1]"

صدر ناصر نے مشرقی محاذ پر عراقی فوجوں کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ عراقی فوجوں کی وطنیت پسندی میں کوئی شبہ نہیں ہے مگر عراقی رہنما نہیں چاہتے کہ یہ فوج کوئی مؤثر کردار ادا کرے۔ صدر ناصر نے ان اختلافات کے بارے میں جو عراق کے اندر مختلف عناصر کے مابین جاری ہیں بتایا کہ بعث پارٹی نے مصنوعی طور پر اختلافات پیدا کر رکھے ہیں۔ ان اختلافات کا تعلق بنیادی مسائل سے بالکل نہیں ہے۔ بلکہ بعثی لیڈر ضمنی مسائل چھیڑ کر عراقی فوج کے مشکوک موقف پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں[2]۔

---

[1] یہ اقتباس جمال عبدالناصر کی اس تقریر میں سے لیا گیا ہے جو انہوں نے سوڈان کے وکلا اور ججوں پر مشتمل ایک وفد کے سامنے قاہرہ میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو الاہرام ۱۰ ستمبر ۱۹۷۰ء۔ [2] ایضاً

(بقیہ اشارات)

مولانا محترم کو سرپرستی کے مقام پر فائز کرنے اور اُن کی جگہ زندگی سے بھرپور کسی نئی امارت کو سامنے لانے میں جس قسم کے غلط تاثرات شامل ہیں ان کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ امریکہ میں کینیڈی کی کامیابی کی وجہ ٹیلیویژن پر اس کے حسن اور توانائی کی نمائش تھی۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے۔ اگر انتخابات میں کامیابی کا راز صرف اس بات میں مضمر ہوتا تو پھر دنیا کی زمام کار اداکاروں کے ہاتھ میں